Research Journal Ulum-e-Islamia
Journal Home Page: https://journals.iub.edu.pk/index.php/Ulum-e-Islamia/
E-Mail:muloomi@iub.edu.pk ISSN: 2073-5146(Print) ISSN: 2710-5393(Online)
Vol.No: 32, Issue:02. (Jul-Dec 2025) Date of Publication: 19-12-2025
Published by: Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur

سیاسی جماعتوں کے نظریاتی بحران، قیادت کی کمزوریاں اور قومی انتشار قرآن وسنت کی روشنی میں ایک تحقیقی جائزہ

Ideological Crisis of Political Parties,Leadership Weaknesses and National Disintegration:A Research-Based Analysis in the Light of the Qur'an and Sunnah

Usama Islam
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Riphah International University, Islamabad. Corresponding Author Email: usamaislam2000@gmail.com

Abstract:
This analytical study addresses the profound ideological and structural crisis prevalent in Pakistan's political system, which has severely contributed to national discord and institutional decay. Employing a comparative analytical methodology, the research assesses contemporary political practices against the fundamental governance principles found in the Quran and Sunnah. The analysis reveals that political parties abandoned their founding ideologies for power politics and opportunistic alliances, resulting in an ideological vacuum. This structural decay is exacerbated by hereditary succession and autocratic leadership (violating the 'Rules of the Game'), which fostered the rise of ethnic/sectarian biases (Asabiyyah) and led to widespread youth alienation and loss of political legitimacy. The study concludes that sustainable political reform necessitates a return to ethical governance guided by Islamic tenets: entrusting authority based on merit (Amanat), adopting consultative decision-making (Shura), and ensuring consistency in word and action to restore national unity and political accountability.

Keywords: Ideological Crisis, Dynastic Leadership, Meritocracy, Shura (Consultation), Asabiyyah (Ethnic/Sectarian Bias), Youth Alienation, Hypocrisy, Institutional Decay, Political Legitimacy

1. مقدمہ

تعارفِ موضوع(Introduction)

پاکستان کا سیاسی منظرنامہ کئی دہائیوں سے ایک ایسے نظریاتی وفکری بحران کا شکار ہے جس نے سیاسی جماعتوں اور قومی وحدت کو شدید طور پر متاثر کیا ہے۔ ملکی سیاسی جماعتیں وقت کے ساتھ ساتھ اپنے بنیادی نظریاتی ڈھانچے سے محروم ہوتی چلی گئیں، جس کے نتیجے میں شخصیت پرستی، خاندانی سیاست، گروہی مفادات اور وقتی نعروں نے نظریاتی سیاست کی جگہ لے لی۔ قیادت کی کمزوریاں، بدانتظامی، ذاتی مفادات پر مبنی فیصلے، اور سیاسی بصیرت کا فقدان اس بحران کو مزید گہرا کرتا گیا۔ ان داخلی کمزوریوں نے قومی سطح پر انتشار، بداعتمادی اور ریاستی اداروں کے تصادم کو جنم دیا۔ نتیجتاً معاشرہ فکری ٹوٹ پھوٹ، لسانی وصوبائی تقسیم، احتجاجی سیاست، اور معاشی و سیاسی عدم استحکام کی طرف بڑھنے لگا۔ قرآن و سنت میں اجتماعی قیادت، باصلاحیت نظمِ اجتماعی، عدل وشوریٰ اور وحدتِ اُمت کے جو اُصول بیان کیے گئے ہیں، وہ نہ صرف اسلامی سیاسی فکر کی بنیاد ہیں بلکہ موجودہ بحران کے حل کے لیے عملی رہنمائی بھی فراہم کرتے ہیں۔ اسی تناظر میں یہ تحقیقی جائزہ پاکستان کی موجودہ سیاسی کمزوریوں کا علمی و تحقیقی تجزیہ قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کرتا ہے، تاکہ سیاسی اصلاحات اور قومی اِستحکام کے لیے ایک جامع نظریاتی فریم ورک فراہم کیا جاسکے۔

منہج تحقیق (Research Methodology)

اس آرٹیکل میں تجزیاتی اور موضوعاتی طریقہ تحقیق کو اختیار کیا گیا ہے، جس میں قرآنی آیات اور احادیث نبوی ﷺ کو جدید سیاسی نظریات اور پاکستان کی تاریخی وسیاسی دستاویزات کے ساتھ تقابلی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

2. سیاسی جماعتوں میں نظریاتی بحران (Ideological Crisis in Political Parties)

پاکستان کی سیاسی تاریخ اس سچائی کی گواہ ہے کہ ملک میں قائم ہونے والی اکثر جماعتیں ابتداء میں واضح نظریاتی اہداف، فکری سمت اور مخصوص عالمی ومقامی تناظر میں تشکیل پانے والے بیانیے کے ساتھ منظرِ عام پر آئیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ سے لے کر جماعتِ اسلامی، جمعیت علماء اسلام، پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ (ن) تک، ہر جماعت نے اپنے وجود کا جواز کسی نہ کسی نظریے، مقصد یا سماجی تبدیلی کے دعوے میں تلاش کیا۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم قرار دے کر اُن کے سیاسی وتہذیبی تحفظ کے لیے جداگانہ ریاست کا مطالبہ کیا؛ جماعتِ اسلامی نے سید مودودی کے پیش کردہ "اسلامی ریاست" کے تصور کو سیاسی دائرے میں نافذ کرنے کا عزم ظاہر کیا؛ جمعیت علماء اسلام نے شریعت کے نفاذ اور دینی سیاست کی روایت کو برقرار رکھنے کا دعویٰ کیا؛ جبکہ PPP نے "اسلامی سوشلزم" کے نعرے کے ساتھ معاشی وسماجی انصاف کا خواب دکھایا۔ اسی طرح PML-N نے "مسلم ڈیموکریسی" اور ترقیاتی ریاست کے بیانیے کو اُجاگر کرتے ہوئے اپنی شناخت قائم کی۔ مگر سیاسی عمل کی پیچیدگی اور اقتدار کے حصول کی دوڑ نے ان جماعتوں کے نظریاتی ڈھانچے کو وقت کے ساتھ متزلزل کر دیا۔ نظریہ جو کبھی سیاسی قوت کا منبع تھا، آہستہ آہستہ عملی سیاست، انتخابی مجبوریوں، خاندانی قیادت، ذاتی مفادات اور وقتی اتحادوں کی بھینٹ چڑھ گیا۔ یوں نظریاتی مقاصد محض بیانیاتی علامتیں بن کر رہ گئیں، جبکہ جماعتوں کی اصل شناخت طاقت کے بازی گروں، شخصی قیادت، گروہی مفاد یا مفاہمتی سیاست سے وابستہ ہوگئی۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی جماعتیں، جو کبھی اپنی اصول پسندی اور فکری سختی پر فخر کرتی تھیں، اب انتخابی اتحادوں اور سیاسی مفاہمت کے نام پر اُن جماعتوں کے ساتھ کھڑی نظر آتی ہیں جنہیں وہ برسوں تک "غیر نظریاتی" یا "سیکولر" قرار دیتی رہی ہیں۔ جماعتِ اسلامی کا PTI اور پھر 2024 میں PPP جیسے نظریاتی مخالفین کے ساتھ کھڑا ہونا، یا جمعیت علماء اسلام کا انہی سیکولر جماعتوں کے ساتھ اقتدار کے اشتراک پر آمادگی ظاہر کرنا، اس تبدیلی کی واضح علامت ہے۔ دوسری طرف PPP اور PML-N جیسی جماعتیں جو ابتداء میں نظریاتی روح رکھتی تھیں، وقت کے ساتھ خاندانوں کی ملکیت اور اقتدار کے تسلسل کی علامت بن گئیں، یوں اُن کا نظریاتی وجود ثانوی ہو گیا۔ اس پوری صورتِ حال نے ایک گہرا نظریاتی خلا (ideological vacuum) پیدا کیا ہے۔ نوجوان کارکنان جو کبھی ان جماعتوں کے نظریاتی نعروں سے متاثر ہو کر شمولیت اختیار کرتے تھے، اب مایوسی اور بداعتمادی کا شکار ہیں۔ جب انہیں یہ نظر آتا ہے کہ جماعتوں کے بنیادی اُصول محض نعرے تھے اور حقیقی ترجیحات اقتدار، اتحاد، اور ذاتی مفادات ہیں، تو سیاسی وابستگی کمزور پڑ جاتی ہے۔ یہی نظریاتی انحطاط آج پاکستان کے سیاسی منظرنامے میں عدم استحکام، جماعتی انتشار، کارکنان کی بے سمتی اور مجموعی طور پر اعتماد کے فقدان کا بنیادی محرک بن چکا ہے۔ یوں پاکستان کی سیاسی ومذہبی جماعتوں کا نظریاتی بحران محض جماعتی کمزوری نہیں بلکہ ریاستی اور سماجی سطح پر ایک وسیع تر اعتماد کے بحران کو جنم دے رہا ہے۔ جہاں یہ سوال مسلسل شدت اختیار کر رہا ہے کہ پاکستان کی سیاسی قوتیں آخر کس نظریے، کس سماجی وژن، اور کس اخلاقی بنیاد پر عوام کی رہنمائی کرنا چاہتی ہیں۔

پاکستان کی سیاسی جماعتیں ابتدائی طور پر واضح نظریاتی مقاصد کے ساتھ قائم ہوئی تھیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ، جو بعد میں پاکستان کی سب سے بڑی جماعت بنی، یہ نظریہ رکھتی تھی کہ مسلم اکثریتی علاقے میں ایک آزاد ریاست ہونی چاہیے جہاں مسلمان اپنے وسائل پر کنٹرول رکھ سکیں۔[1] محمد علی جناح کی قیادت میں، مسلم لیگ نے 1940ء کو لاہور قرارداد میں اپنا نظریہ واضح کیا کہ برصغیر میں مسلمان اقلیت نہیں بلکہ ایک الگ قوم ہیں جن کے لیے علیحدہ وطن ضروری ہے۔ یہ نظریہ سیاسی طور پر بہت قوی تھا اور اسے ملین لوگوں نے قبول کیا۔[2] پاکستان میں جماعت اسلامی جس کا بیانیہ ہے کہ اسلام سیاسی نظام کی بنیاد ہونی چاہیے اور معاشرے کو اسلامی اُصولوں کے مطابق منظم کیا جانا چاہیے۔[3] جمعیتِ علماء اسلام دینی اُصولوں اور شریعت کے نفاذ میں یقین رکھتی تھی اور دیکھا جاتا تھا کہ وہ اسلام کو نہ صرف روحانی بلکہ سیاسی اور سماجی میدان میں نافذ کریں۔ PPP نے

ابتدائی طور پر سوشلزم کا بے بنیاد نعرہ لگا کر لوگوں کو اُبھارا۔ ذوالفقار علی بھٹو اور ان کی پارٹی "Islamic socialism" کی بات کرتی تھیں، جو مغربی سوشلزم کو اسلامی اقدار کے ساتھ ملا کر ایک نیا نمونہ پیش کرنا چاہتی تھی۔[4] تاہم، جیسے جیسے یہ جماعتیں اقتدار میں آئیں، ان کے نظریاتی مقاصد میں رفتہ رفتہ انحطاط شروع ہوا۔ مثال کے طور پر، PPP نے جب ابتدائی طور پر سوشلزم کی بنیاد پر اپنے آپ کو منظم کیا تھا تو 1970 کی دہائی میں ذوالفقار علی بھٹو نے بہت سی سماجی اصلاحات کیں اور مختلف صنعتوں کو قومی حیثیت دی۔ لیکن 1990 کی دہائی تک، خاص طور پر بھٹو خاندان کے ذریعے قیادت کے بعد، یہ جماعت بنیادی طور پر ایک خاندانی اور سیاسی طاقت کے ادارے میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اب PPP کی شناخت سوشلزم سے زیادہ "Bhutto family" کے ساتھ منسلک ہے۔[5]

PML-N کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ یہ جماعت اولاً ایک "Muslim democratic" نمائندہ کے طور پر کام کرتی تھی، جہاں اسلام اور جدید ریاستی نظام کو ملایا جا سکے۔ لیکن شریف خاندان کی حکمرانی کے دوران، خاص طور پر 1990 کی دہائی سے، اس کی شناخت ڈھیلی پڑ گئی۔ اب PML-N کو بہت سے لوگ "Shareef's party" کہتے ہیں نہ کہ ایک واضح نظریاتی جماعت۔[6]

اسی طرح جماعتِ اسلامی خود کو مذہبی سیاسی جماعت کے طور پر پیش کرتی ہے۔ اس کے بانی سید ابو الاعلیٰ مودودی کا نظریہ تھا کہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اور اس کو سیاسی طور پر نافذ کیا جانا چاہیے۔ سید مودودی نے "Islamic state" کا تصور پیش کیا تھا جہاں قانون، معاشیات، اور سماجی نظام سب کچھ اسلامی اصولوں پر مبنی ہوں۔[7] تاہم، موجودہ دور میں JI بھی اپنے اصل نظریہ سے سمجھوتہ کر رہی ہے۔ 2018 کے انتخابات میں JI نے PTI کے ساتھ اتحاد کیا، حالانکہ PTI کے نظریہ میں کوئی واضح اسلامی رنگ نہیں تھا اور یہ خوش نما بنیادوں پر کھڑی جماعت تھی۔ جب JI کے رہنما اس اتحاد کو جواز دینے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ عملی سیاست ہے، لیکن یہ ان کے بنیادی نظریہ کے خلاف تھا۔[8] اسی طرح، 2024 میں JI عوام کے منصوبے میں شامل ہو گئی، جہاں اسے PPP جیسی سیکولر جماعت کے ساتھ کام کرنا پڑا۔ یہ نظریاتی ہچکولے JI کی بنیادوں میں بھی شگاف پیدا کر رہے ہیں۔ JI کے بہت سے تشدد پسند افراد اور جوان رکن اب کہہ رہے ہیں کہ "ہماری جماعت نے اپنا نظریہ کھو دیا ہے۔"[9] اسی طرح جمعیت علماء اسلام (JUI-F) ایک مذہبی سیاسی جماعت ہے جس کا دعویٰ ہے کہ وہ شریعت کے نفاذ کے لیے کام کر رہی ہے اور اسلام کی حقیقی تشریح کو سیاسی میدان میں لے کر آنا چاہتی ہے۔ اس جماعت کی قیادت روایتی طور پر عالمِ دین کے ہاتھوں میں رہی ہے۔[10] تاہم مولانا فضل الرحمن کی رہنمائی میں یہ جماعت متعدد بار "unislamic" معاملات میں اُلجھی ہے اور اپنے بنیادی نظریہ کی خیانت کی ہے۔ 2018 میں، JUI-F نے علانیہ کہا تھا کہ وہ PPP کے ساتھ اتحاد نہیں کریں گے کیونکہ PPP ایک سیکولر جماعت ہے اور اس کے نظریہ دین کے خلاف ہیں۔ JUI-F کے رہنما یہ کہہ رہے تھے کہ اسلام کی حقیقت کو سمجھنے والی کوئی جماعت سیکولر سیاسی جماعت کے ساتھ کیسے کام کر سکتی ہے۔[11] لیکن 2024 میں، جب حکومت بنانے کا موقع ملا تو JUI-F خود ہی PPP کے ساتھ سمجھوتہ کر رہی ہے اور "عملی سیاست" کی بات کر رہی ہے۔ مولانا فضل الرحمن نے کہا ہے کہ "اب وقت اختلاف کا نہیں بلکہ اتفاق کا ہے، ملک کو بچانا ہے۔"[12] یہ بیان دراصل JUI-F کے اصول میں تبدیلی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح کے نظریاتی ہچکولے JUI-F کی بنیادی ساخت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جب نوجوان اپنے والدین کو اپنے اُصولوں سے منحرف ہوتے دیکھتے ہیں، تو وہ ان جماعتوں میں شرکت کو سمجھ نہیں پاتے۔ ایک 24 سالہ نوجوان جو JUI-F کے ساتھ منسلک تھا، اُس نے کہا، "میں نے سالوں تک سوچا کہ اسلام ہماری جماعت کے لیے کتنا اہم ہے، لیکن اب دیکھتا ہوں کہ اقتدار ہی ہماری جماعت کے لیے سب کچھ ہے۔"[13] یہ نوجوان اب JUI-F سے الگ ہو چکا ہے۔

پس وقت کے ساتھ یہ واضح ہوا ہے کہ چند سیاسی جماعتیں جو ابتداء میں مضبوط نظریاتی بنیادوں پر قائم ہوئیں، اقتدار کے قریب آتے ہی اپنے اصل بیانیے سے دور ہوتی گئیں۔ کہیں مذہبی اُصول عملی سیاست کے نام پر پس پشت ڈالے گئے، کہیں سوشل انصاف کے دعوے خاندانی اثر و رسوخ کے تابع ہو گئے، اور کہیں جدید طرزِ ریاست کے وعدے ذاتی مفادات سے کمزور پڑ گئے۔ اس نظریاتی لچک نے نہ صرف جماعتی تشخص کو دھندلا دیا بلکہ کارکنان، خاص طور پر نوجوانوں میں مایوسی بھی پیدا کی، جو اب دیکھتے ہیں کہ اُصول اور بیانیہ محض نعرے رہ گئے ہیں جبکہ حقیقی ترجیح اقتدار اور سیاسی

فائدہ ہے۔ اس طرح کے تضادات سیاسی منظرنامے میں اعتماد کے بحران کو جنم دیتے ہیں، کیونکہ جب جماعتیں اپنے ہی اُصولوں سے ہٹ جائیں تو عوام کے لیے یہ جاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ کس نظریے یا سمت کی نمائندگی کرتی ہیں۔

3. قیادت کی ساخت میں بنیادی کمزوریاں (Structural Weaknesses in Leadership)

سیاسی جماعتوں میں خاندانی تسلط

پاکستانی سیاسی جماعتوں میں خاندانی تسلط سب سے بڑا مسئلہ ہے اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو صرف سیاسی نہیں بلکہ ادارہ جاتی، سماجی، اور ثقافتی سطح پر بھی گہرے اثرات مرتب کر رہا ہے۔ یہ ڈیٹا حیران کن ہے: 2024 میں، پاکستان کی تمام بڑی سیاسی جماعتوں کی قیادت خاندانی بنیادوں پر تھی۔ PPP کی قیادت بھی بھٹو خاندان کے ہاتھ میں ہے، جہاں بلاول بھٹو زرداری موجودہ چیئرمین ہیں۔[14] اسی طرح PML-N شریف خاندان کے قابو میں ہے، جہاں نواز شریف اور ان کے خاندان کا اہم کردار ہے۔ JUI-F اگرچہ دینی جماعت ہے پھر بھی مولانا فضل الرحمٰن سے لے کر ان کے بیٹوں تک قیادت جاری ہے۔ حتیٰ کہ PTI بھی، جس نے 2018 میں "اصلاح" کا شور مچایا تھا، اب اپنے اندر عمران خان کے قریبی لوگوں اور ان کے خاندان سے منسلک افراد کو ترجیح دے رہی ہے۔[15] اس نظام میں، قیادت کی تبدیلی نہ تو شفاف طریقے سے ہوتی ہے اور نہ ہی کسی ڈسپلن اور صلاحیت پر مبنی ہوتی ہے۔ بجائے اس کے، یہ خاندانی وراثت ہے جو رومن سلطنت کی طریقے سے چلتی ہے۔ جب موجودہ قائد یا رہنما کوئی اہم فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ اپنے خاندان کے افراد سے مشورہ کرتے ہیں، اس سے قطع نظر کہ ان لوگوں کے پاس ضروری تجربہ یا تعلیم ہے یا نہیں۔[16] اس کا مطلب یہ ہے کہ نئے اور باصلاحیت لوگ جماعتوں میں کسی بڑے منصب تک نہیں پہنچ سکتے، چاہے وہ کتنے ہی قابل ہوں۔ اس خاندانی سیاسی نظام کے نتیجے میں، سیاسی جماعتوں میں مفادات، سازشوں اور دھوکہ دہی کا ماحول بہت زیادہ ہے۔ اگر کسی کو لگتا ہے کہ وہ اپنی قابلیت کی بنیاد پر اُوپر نہیں آسکتے تو وہ یا تو جماعت چھوڑ دیتے ہیں یا پھر انتقام کی سوچتے ہیں۔ یہ نفسیاتی کمزوری جماعتوں کی اندرونی طاقت کو کمزور کرتی ہے۔[17]

ٹیکنالوجی کے دور میں قدیم سیاسی سوچ

پاکستانی سیاسی جماعتوں کی قیادت کی اوسط عمر 65 سال سے زیادہ ہے۔[18] یہ عمر ایسے دور میں مسائل پیدا کر رہی ہے جب ڈیجیٹل انقلاب، موسمیاتی تبدیلیاں، کلاؤڈ کمپیوٹنگ، مصنوعی ذہانت (AI)، اور جدید تعلیم قومی ایجنڈے کو طے کر رہے ہیں۔ ایک 70 سالہ رہنما جو اپنی تعلیم 1970 کی دہائی میں حاصل کی ہے، وہ 2024 کی ٹیکنالوجی اور ڈیجیٹل دنیا کو سمجھنے میں بہت مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر، جب نوجوان ڈیجیٹل حکومت کاری (e-governance)، آن لائن تعلیم کے نئے نمونے، سائبر سیکیورٹی، یا آن لائن ملازمت (remote work) کے بارے میں سوالات اٹھاتے ہیں تو 70 سالہ رہنما ایسے حل نہیں دے سکتے جو ان کے عہد میں ڈیزائن کیے گئے تھے۔[19] وہ روایتی حکومتی ڈھانچے میں سوچتے ہیں اور ان میں سے بہت سے ڈیجیٹل پلیٹ فارمز استعمال کرنا ہی نہیں جانتے۔ اس وجہ سے جدید قوانین سازی میں مشکلات کا سامنے کرنا پڑتا ہے، یعنی مروجہ سیاسی جماعتیں ہمیشہ ایک قدم پیچھے ہوتی ہیں۔[20] یہ مسئلہ اور بھی گہرا ہوتا ہے جب موسمیاتی تبدیلی یا اقتصادی بحران کے بارے میں فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ موجودہ دور میں، پاکستان کو renewable energy، sustainable development، اور green economy کے بارے میں سوچنا ہے۔ لیکن بہت سے بزرگ رہنماؤں کے پاس یہ علم ہی نہیں ہے۔ وہ ابھی کوئلے کی طاقت (coal power) یا روایتی توانائی کے بارے میں سوچتے ہیں۔[21] نتیجے میں، حکومتیں سست رفتاری سے ان مسائل کو سنبھالتی ہیں اور نوجوان نسل یہ سوچتی ہے کہ ہمارے حکمرانوں کے پاس کوئی صلاحیت نہیں ہے اور نوجوان نسل مایوس ہوتی ہے۔

مطلق اختیارات اور جماعتی کمزوری

بہت سی سیاسی جماعتوں میں، قیادت کی منتخب نمائندگی کا کوئی واضح اور موثر نظام نہیں ہے۔ قیادت اپنی طاقت کو مطلق انداز میں استعمال کرتی ہے، جیسے ایک بادشاہ اپنی بادشاہی میں کرتا ہے۔ یہ جماعتی انتظام میں اپنی طاقت کا بے دردی سے استعمال کرتے ہیں اور انہیں عام کنونشن، شوریٰ یا دیگر

فیصلہ ساز اداروں کے ذریعے جانچ نہیں کی جاتی۔[22] مثال کے طور پر PPP میں، جب کوئی بڑا فیصلہ ہوتا ہے تو بھٹو خاندان ہی فیصلہ کرتا ہے، چاہے پارٹی کے دوسرے سینیئر قائدین اس سے متفق ہوں یا نہ ہوں۔

اس نتیجے میں، جماعت کے اہم اور درمیانے سطح کے کارکنان بے چینی محسوس کرتے ہیں۔ وہ اپنی آوازوں کو سنا نہیں پاتے اور نہ ہی وہ قیادت میں تبدیلی کے لیے کوئی اثر ڈال سکتے ہیں۔[23] ایک پاکستانی سیاسی تجزیہ کار نے کہا ہے، "جب قیادت خود مختار ہوتی ہے تو جماعت میں اصل میں کوئی جمہوریت نہیں ہوتی۔ یہ ایک ایسی شے ہے جو حکمران اپنے آپ کو شرعی بنانے کے لیے استعمال کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ مطلق طاقت رکھتے ہیں۔"[24]

یہ خود مختاری اگلی نسل کی قیادت کو بھی خود مختار بنا دیتی ہے۔ جب نئے قائد یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے پہلے والے قائد نے مطلق طاقت کے ساتھ کام کیا ہے تو وہ بھی ایسا ہی کریں گے۔ یہ ایک "institutional lock-in" ہے جہاں خود مختاری کی روایت قائم ہو جاتی ہے اور اسے توڑنا مشکل ہوتا ہے۔[25] Institutional Theory[26] کی اصطلاحوں میں، یہ "path dependency"[27] کی بہترین مثال ہے۔ ایک بار جب یہ راستہ بنایا جائے تو اسے تبدیل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

تاہم، پاکستان کے سیاسی ڈھانچے میں قیادت کی ساخت ایسی کمزوریوں کا شکار ہے جو پورے نظام کو جمود، غیر شفافیت اور اندرونی ٹوٹ پھوٹ کی طرف دھکیل رہی ہیں۔ قیادت کا خاندانی بنیادوں پر منتقل ہونا اس بحران کا سب سے نمایاں پہلو ہے، جہاں فیصلے قابلیت یا جمہوری انتخاب کے بجائے وراثتی حق سمجھ کر کیے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں باصلاحیت افراد اوپر نہیں آپاتے اور جماعتوں کے اندر مایوسی، سازشیں اور ذاتی گروہ بندیاں جنم لیتی ہیں۔ دوسری طرف، عمر رسیدہ قیادت کا جدید دنیا سے کمزور رابطہ ایک ایسی عملی رکاوٹ ہے جو قومی پالیسیوں کو مسلسل پرانے فریم ورک میں قید رکھے ہوئے ہے؛ ڈیجیٹل معیشت، موسمیاتی بحران اور جدید حکمرانی جیسے اہم مسائل ان رہنماؤں کی سمجھ سے باہر رہتے ہیں، جس سے نظام مسلسل پیچھے رہ جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جماعتوں میں طاقت کا ارتکاز، جہاں فیصلے چند افراد تک محدود رہتے ہیں اور اندرونی جمہوری عمل محض رسمی حیثیت رکھتا ہے، سیاسی اداروں کو مزید کمزور کرتا ہے۔ ایسی قیادت اپنی طاقت کو قائم رکھنے کے لیے وہی طریقے اپناتی ہے جو اس سے پہلے رہنماؤں نے اپنائے تھے، اور یوں ایک ایسی "روایتی جکڑبندی" پیدا ہو جاتی ہے جس میں پرانا نظام اپنی گرفت مضبوط کر لیتا ہے اور اسے توڑ کر آگے بڑھنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً سیاسی جماعتیں نہ صرف نظریاتی اعتبار سے کمزور ہوتی ہیں بلکہ اندرونی سطح پر وہ توانائی اور تخلیقی قوت بھی کھو بیٹھتی ہیں جو کسی بھی صحت مند سیاسی نظام کے لیے ضروری ہے۔

سیاسی شناخت میں تقسیم

پاکستان میں سیاسی شناخت نسلی اور لسانی بنیادوں پر اُستوار ہے۔ پاکستان میں نسلی سیاست کا ظہور 1980 کی دہائی میں ہوا، جو ملک کی سیاسی تاریخ میں ایک بہت اہم اور منفرد موڑ تھا۔[28] اس سے پہلے، خاص طور پر 1947 سے 1975 تک، سیاسی جماعتیں نسبتاً نظریاتی بنیادوں پر منظم تھیں۔ لوگ مسلم لیگ میں اس لیے شامل ہوتے تھے کہ وہ مسلم ریاست میں یقین رکھتے تھے، یا PPP میں اس لیے کہ وہ بھٹو کے سوشلسٹ نظریہ سے متفق تھے۔ نسلی شناخت (Ethnic identity) کم اہم تھی۔[29] لیکن جنرل ضیاء الحق کے دور (1977-1988) میں، جب عسکری حکومت قائم ہوئی، تو ریاست نے بعض نسلی گروپوں کو سیاسی فروغ دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ اسلام کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کی حکمت عملی کا حصہ تھا۔ مثال کے طور پر، کراچی میں، جہاں اردو بولنے والے مہاجر (muhajirs) بڑی تعداد میں رہتے تھے، حکومت نے MQM (Muttahida Qaumi Movement) جیسی نسلی جماعت کو سیاسی اجازت دی۔[30] اس حکومت نے یہ سوچا کہ اگر نسلی شناخت کو سیاسی بنایا جائے تو شاید اسلام پسندوں کے خلاف ایک توازن بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس حکمت عملی کے نتائج بہت خطرناک نکلے۔

مختصراً کہیں تو، نسلی جماعتیں شروع میں تو نسلی مفادات کی حفاظت کے لیے کام کرتی دکھائیں، مثال کے طور پر MQM اردو بولنے والوں کے حقوق کا دفاع کر رہی تھی۔ لیکن بعد میں انہوں نے نسلی شناخت کو سیاسی نہ ہونے کے بجائے ایک "identity marker" میں تبدیل کر دیا۔[31]

جب لوگوں نے قومیت یا سیاسی فائدے کے لیے اپنی زبان، نسل یا علاقے کی بنیاد پر شناخت بنانی شروع کر دی۔ یعنی خود کو پہلے پاکستانی سمجھنے کے بجائے مہاجر، سندھی، پشتون وغیرہ کہنا اور اسی بنیاد پر سیاست کرنا شروع کر دی۔ تو ملک میں تقسیم اور لڑائیاں بڑھ گئیں۔ سندھ میں، خاص طور پر کراچی میں MQM (Muttahida Qaumi Movement) ایک نسلی جماعت ہے جو اردو بولنے والے لوگوں کی نمائندگی کرتی ہے، جبکہ PPP سندھی لوگوں کی نمائندہ سمجھی جاتی ہے۔[32] یہ دونوں جماعتیں 1980 کی دہائی سے لے کر اب تک نسلی بنیادوں پر ووٹ حاصل کر رہی ہیں۔ MQM اردو بولنے والوں کو کہتی ہے، ہم آپ کے حقوق کی حفاظت کریں گے، کیونکہ سندھی لوگ اور پنجابی لوگ آپ کو دبانا چاہتے ہیں۔ اور PPP سندھی لوگوں سے کہتی ہے، MQM اردو بولنے والوں کے ذریعے سندھ پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔[33] اس نسلی سیاست کے نتیجے میں، کراچی میں سندھی اور اردو بولنے والوں میں تنازعات ہو رہے ہیں۔ شہر میں گلیوں کی سطح پر نسلی بنیاد پر ووٹ کاسٹ ہو رہے ہیں۔ ایک محلے میں، اگر زیادہ تر اردو بولنے والے رہتے ہیں تو وہاں MQM جیتے گی۔ دوسرے محلے میں، اگر سندھی رہتے ہیں تو PPP جیتے گی۔ نسلی شناخت اب سیاسی شناخت بن گئی ہے، اور یہ قومی یکجہتی کے لیے بہت خطرناک ہے۔[34] یہ تنازعہ اتنا گہرا ہے کہ بعض اوقات کراچی میں عنف کے واقعات بھی ہو رہے ہیں۔ 2016 میں، کراچی میں MQM کے علیہ الرغم سوالوں کے نتیجے میں، شہر میں سیاسی عنف بہت بڑھ گیا۔ لوگ جماعت کے سیاسی نقطے نظر کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنی نسلی شناخت کی بنیاد پر ووٹ کاسٹ کر رہے تھے۔[35]

KP میں، نسلی سیاست ایک مختلف شکل میں ہے۔ یہاں ANP (Awami National Party) پشتون اکثریت کی نمائندگی کرتی ہے اور دعویٰ کرتی ہے کہ وہ پشتون لوگوں کی حقوق کی حفاظت کر رہی ہے۔[36] جب PTI نے 2018 میں اقتدار میں آیا تو یہ جماعت کراچی اور دیگر شہروں میں بہت مقبول تھی کیونکہ عمران خان ایک قومی رہنما کے طور پر سامنے آئے تھے اور انہوں نے نسلی سیاست سے بالاتر اٹھنے کا دعویٰ کیا تھا۔ PTI نے کہا، "ہم نسلیں نہیں بلکہ قومی مفادات کے لیے کام کریں گے۔"[37]

تاہم، عملی سیاست میں، PTI بھی نسلی شناخت کو نظر انداز نہیں کر سکی۔ KP میں، جب ووٹنگ ہوئی تو نسلی عوامل اب بھی بہت اہم رہے۔ پشتون علاقوں میں PTI اور ANP کے درمیان مقابلہ سیاسی نقطہ نظر کی بنیاد پر نہیں بلکہ یہ سوال تھا کہ کون پشتونوں کی زیادہ اچھی نمائندگی کر رہا ہے۔[38]

اگرچہ PTI دوسری نسلی جماعتوں کے مقابلے میں زیادہ کثیر نسلی تھی، پھر بھی KP میں نسلی سیاست کی بنیادی ڈھانچہ برقرار رہا۔

مسلکی شناخت کی بنیاد پر سیاسی تقسیم

نسلی تقسیم کے علاوہ، مسلکی اور فرقہ وارانہ تقسیم بھی پاکستان میں ایک اہم مسئلہ ہے۔ خاص طور پر 1985 کے بعد سے، جب حکومت نے شیعہ اور سنی فرقوں کے مختلف نقطہ نظر کو الگ سے فنڈ دینے اور سیاسی کمرے یعنی مراعات دینے کا فیصلہ کیا۔[39] یہ جنرل ضیاء الحق کے دور میں کیا گیا تاکہ مختلف مذہبی گروپوں کو سیاسی طور پر تسلی دی جاسکے۔ لیکن اس فیصلے کے نتائج بہت منفی نکلے۔ اس فیصلے سے، سنی اور شیعہ جماعتیں الگ الگ سیاسی گروپ بن گئیں۔ موجودہ دور میں تحریکِ لبیک پاکستان اور جمعیت علمائے اسلام (ف) اور دیگر مذہبی سیاسی جماعتیں اپنے اپنے مفادات کی تشہیر کرتی ہیں۔ دوسری طرف، شیعہ تنظیمیں الگ سے شیعہ مسائل کو اٹھاتی ہیں۔[40] یہ الگ الگ سیاسی ڈھانچہ معاشرے میں شیعہ، سنی تقسیم کو مزید گہرا کرتا ہے۔ یہ فرقہ وارانہ تقسیم نوجوانوں کو بہت نقصان پہنچا رہی ہے۔ نوجوان اپنی مذہبی شناخت کو سیاسی شناخت میں بدل رہے ہیں، جو قومی یکجہتی کو کمزور کر رہی ہے۔[41] ایک نوجوان شیعہ جو کراچی میں رہتا ہے، اس نے کہا ہے، "میں پہلے اپنے آپ کو پاکستانی سمجھتا تھا، لیکن اب میں ہمیشہ یہ سوچتا ہوں کہ میں شیعہ ہوں۔ سیاسی جماعتیں مجھے ہمیشہ یہ یاد دلاتی ہیں۔"[42] یہ ایک خطرناک رجحان ہے جہاں قومی شناخت کمزور ہو رہی ہے اور نوجوان نسل وطنیت سے محروم ہو رہا ہے۔

پاکستان میں نسلی اور فرقہ وارانہ تقسیمات کا بڑھنا دراصل اس وسیع سیاسی خلا کی نشاندہی کرتا ہے جو نظریاتی کمزوری، غیر جمہوری جماعتی ڈھانچوں اور ریاستی حکمتِ عملیوں کی ناکامی سے پیدا ہوا۔ 1980 کی دہائی میں نسلی سیاست کا فروغ ایک ایسے دور میں ہوا جب ریاست نے وقتی سیاسی مقاصد کے لیے زبان، علاقے اور نسل کو شناختی ستون بنا کر استعمال کیا۔ اس کے نتیجے میں سیاسی وابستگیاں نظریات سے ہٹ کر شناختی گروہوں سے جڑ گئیں، اور شہریوں نے خود کو پاکستانی سے پہلے مہاجر، سندھی، پشتون یا بلوچ سمجھنا شروع کر دیا۔ سندھ میں روایت اور شہری شناخت کے ٹکراؤ نے سیاست کو مسلسل تفریق کے محور پر رکھا، جہاں ووٹ سیاسی کارکردگی کے بجائے نسلی تعلق کی بنیاد پر ڈالے جانے لگے اور معاشرہ بتدریج خانوں میں بٹ گیا۔ خیبر پختونخوا میں بھی، اگرچہ تبدیلی کے دعوے کیے گئے، تاہم سیاسی عمل نسلی جذبات سے مکمل طور پر آزاد نہ ہو سکا، اور نمائندگی کا سوال کارکردگی سے زیادہ لسانی وابستگی تک محدود رہا۔ فرقہ وارانہ تقسیم نے صورتِ حال کو مزید پیچیدہ بنا دیا۔ مذہبی مسالک کو الگ سیاسی مراعات دینے کے فیصلوں نے نہ صرف شیعہ–سنی اختلاف کو سیاسی شکل دی بلکہ اسے نوجوان ذہنوں میں مستقل شناخت کے طور پر راسخ کر دیا۔ مذہبی جماعتوں نے اس تقسیم کو انتخابی قوت میں بدل کر مسلکی سیاست کو عام کر دیا، جس کے نتیجے میں ایسی نسل پروان چڑھی جو خود کو شہری یا قومی شناخت سے پہلے فرقے کے تناظر میں دیکھنے لگی۔ یہ تمام رجحانات ایک ایسے مجموعی بحران کی طرف اشارہ کرتے ہیں جہاں قومی یکجہتی کمزور پڑ رہی ہے، عوام کی اجتماعی شناخت ٹوٹ رہی ہے، اور سیاسی بیانیے مسلسل تنگ دائروں میں سمٹ رہے ہیں۔ اس ماحول میں ایک مربوط، شہری اور قومی سوچ کا اُبھرنا مشکل ہوتا جا رہا ہے، جبکہ سماجی ہم آہنگی اور آئینی ریاست کا تصور خود تقسیم کے بوجھ تلے دبنے لگا ہے۔

نوجوانوں کی سیاسی شرکت میں کمی

پاکستان میں 18-35 سال کی عمر والے لوگوں کی تعداد کل آبادی کا تقریباً 40 فیصد ہے۔[43] لیکن ان میں سے کتنے سیاسی جماعتوں میں شامل ہیں اور کتنے سیاسی طور پر متحرک ہیں؟

(Pakistan Institute of Legislative Development and Transparency)PILDAT کی تازہ تحقیق (2024) میں یہ شماریات سامنے آئے ہیں: صرف 12 فیصد نوجوان کسی سیاسی جماعت کے فعال رکن ہیں۔ 35 فیصد نوجوان کہتے ہیں کہ وہ انتخابات میں ووٹ دیں گے لیکن کسی جماعت سے رابطہ نہیں رکھتے۔ 53 فیصد نوجوان سیاسی طور پر مکمل طور پر غیر متشدد ہیں۔[44] یہ اعداد و شمار یہ ظاہر کرتے ہیں کہ روایتی سیاسی جماعتیں نوجوانوں کو متاثر نہیں کر رہی ہیں۔

نوجوانوں کی بے زاری کی وجوہات اور ان کے نفسیاتی اثرات

سوالات کے ذریعے پوچھے جانے پر، نوجوانوں نے کئی وجوہات دی ہیں کہ وہ روایتی سیاسی جماعتوں سے دور کیوں ہیں۔[45] پہلا، سیاسی بدعنوانی اور بد دیانتی۔ 78 فیصد نوجوان کہتے ہیں کہ سیاسی جماعتیں ملک کی خیر کے لیے نہیں بلکہ اپنے مفادات کے لیے کام کرتی ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ سیاسی رہنما دولت اکٹھی کر رہے ہیں، حالانکہ وہ کہتے ہیں کہ وہ غریبوں کے لیے کام کر رہے ہیں۔[46] دوسرا، خاندانی قیادت۔ 65 فیصد نوجوان کہتے ہیں کہ جب جماعتوں کی قیادت خاندانی بنیادوں پر ہو تو وہ ان میں شرکت نہیں کرنا چاہتے۔ وہ سوال اٹھاتے ہیں کہ "کیا ان (خاندانی قائدین) میں قومی مسائل حل کرنے کی خصوصی صلاحیت ہے؟ یا انہیں صرف اس لیے منتخب کیا گیا ہے کیونکہ وہ کسی معروف خاندان سے ہیں؟"[47] تیسرا، نسلی اور فرقہ وارانہ شناخت کو ترجیح۔ 71 فیصد نوجوان کہتے ہیں کہ روایتی جماعتیں نسلی یا فرقہ وارانہ بنیادوں پر بندی کرتی ہیں، جو وہ پسند نہیں کرتے۔[48] وہ یہ کہنا چاہتے ہیں، "ہم ایک قوم ہیں، ہم نسلی یا فرقہ وارانہ نہیں ہیں۔"

یہ تمام اعداد و شمار واضح کرتے ہیں کہ پاکستان کے نوجوان روایتی سیاسی نظام سے تیزی سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ آبادی کا بڑا حصہ ہونے کے باوجود نوجوانوں کی سیاسی شرکت نہایت کم ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سیاسی جماعتیں ان کی توقعات پوری نہیں کر رہیں۔ بدعنوانی، خاندانی سیاست اور نسلی و فرقہ وارانہ تقسیم جیسے عوامل نوجوانوں میں شدید بے اعتمادی پیدا کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر نوجوان یا

توصرف ووٹ دینے تک محدود ہیں یا مکمل طور پر سیاست سے الگ رہتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ صورتحال بتاتی ہے کہ نوجوان ایک شفاف، میرٹ پر مبنی اور قومی سطح پر متحد سیاست چاہتے ہیں، جس میں ان کی آواز کو حقیقی اہمیت ملے۔

متبادل اور غیر ریاستی تحریکیں

جب روایتی سیاسی جماعتیں نوجوانوں کو متاثر نہیں کر سکتیں تو وہاں متبادل تحریکیں پیدا ہوئیں۔[49] TLP(Tehreek-e-Labbaik) نے 2015 سے 2017 تک نوجوانوں کو بھاری تعداد میں متاثر کیا۔ یہ تحریک مذہبی نوعیت کی تھی لیکن یہ روایتی جماعتوں سے باہر تھی۔ TLP نے کہا، "ہم روایتی سیاستدانوں کی مثل نہیں۔ ہم صرف اسلام کے لیے کام کریں گے۔"[50] لیکن بعد میں TLP خود بھی بہت سے تنازعات میں پھنس گئی اور اپنی حیثیت کھو بیٹھی۔ اسی طرح، سوشل میڈیا پر مختلف سیاسی تحریکیں اُبھری ہیں۔ PTI کے ارد گرد 2018 میں جو نوجوان تحریک بنی وہ بھی ایک طریقہ تھا روایتی سیاسی جماعتوں سے باہر آنے کا۔ نوجوان کہتے تھے، "عمران خان ایک نیا رہنما ہے، وہ روایتی سیاستدانوں کی طرح نہیں ہیں۔"[51] لیکن جب PTI خود بھی روایتی سیاسی رویوں کو اپنا لیا تو نوجوانوں میں مایوسی پھیل گئی۔

یہ صورتحال ظاہر کرتی ہے کہ جب روایتی سیاسی جماعتیں نوجوانوں کو اعتماد، شفافیت اور تبدیلی کی حقیقی امید نہیں دیتیں، تو نوجوان فطری طور پر متبادل اور غیر روایتی تحریکوں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ TLP ہو یا PTI، دونوں نے اسی خلا کو بھرنے کی کوشش کی اور نوجوانوں کو یہ تاثر دیا کہ وہ پرانی سیاست سے ہٹ کر ایک نیا راستہ پیش کر رہے ہیں۔ ابتداء میں نوجوانوں نے ان تحریکوں کو تبدیلی کی علامت سمجھ کر بھرپور حمایت دی، لیکن وقت کے ساتھ جب یہ تحریکیں بھی روایتی سیاسی رویوں، تنازعات اور طاقت کی سیاست کا حصہ بن گئیں، تو نوجوانوں کی امیدیں دوبارہ مایوسی میں بدل گئیں۔ یہ مجموعی رجحان بتاتا ہے کہ نوجوان نئی قیادت تو چاہتے ہیں، لیکن صرف نام یا نعرہ نیا ہونے سے وہ مطمئن نہیں ہوتے، وہ ایسی سیاست چاہتے ہیں جو مستقل، شفاف، اُصولی اور حقیقی معنوں میں مختلف ہو۔

4. قومی انتشار کی وجوہات (Causes of National Discord)

Institutional Theory کی روشنی میں مجموعی تشریح

اب تک ہم نے Institutional Theory کی روشنی میں مختلف شواہد دیکھے ہیں، یہ سب کچھ کیا ظاہر کرتا ہے؟، Douglas C. North[52] کے الفاظ میں "Institutions are the rules of the game."[53] پاکستانی سیاسی اداروں کے "rules of the game"[54] ٹوٹے ہوئے ہیں اور خراب ہو چکے ہیں۔ جماعتیں اپنے بنیادی نظریہ سے انحراف کر رہی ہیں، قیادت خاندانی اور خود مختار ہے، اور نسلی اور فرقہ وارانہ شناخت نظریاتی شناخت سے زیادہ اہم بن گئی ہے۔ اس نتیجے میں، یہ ادارے (جماعتیں) رفتہ رفتہ اپنی شرعیت (legitimacy) کھو رہے ہیں۔[55] شہری انہیں قابل اعتماد نہیں سمجھتے۔ نوجوان انہیں ملازمت نہیں دیتے۔ یہ ایک "cascade effect"[56] ہے جو بالآخر پورے سیاسی نظام کو متاثر کرتا ہے۔

اجتماعی فیصلے میں خرابی اور اس کے معاشرتی نتائج

جب سیاسی اداروں میں خرابی آجاتی ہے تو اجتماعی فیصلے متاثر ہوتے ہیں۔ پاکستان میں 2018 کے بعد سے لگاتار حکومتیں کمزور رہی ہیں، کیونکہ سیاسی جماعتیں متحد نہیں ہیں۔[57] اس کی وجہ یہ ہے کہ جماعتیں اپنے نظریہ پر متفق نہیں ہیں، بلکہ صرف اقتدار میں آنے کے لیے متحد ہوتی ہیں۔ جیسے ہی اقتدار ملتا ہے، وہ ایک دوسرے کے خلاف ہو جاتی ہیں۔

سماجی اعتماد میں کمی

سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ عوام سے سیاسی اداروں میں اعتماد میں بے انتہا کمی ہوئی ہے۔ 2008 میں، جب پہلا انتخاب ہوا تو 68 فیصد ووٹنگ ہوئی۔ 2024 میں، صرف 41 فیصد لوگوں نے ووٹ دیا۔[58] یہ ووٹنگ میں کمی براہ راست سیاسی اداروں سے عوام کی بے زاری کی نشاندہی کرتی ہے۔

پاکستان میں سیاسی بحران کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ سیاسی جماعتیں اپنی اصل سمت کھو چکی ہیں۔ ان کے اندر نظم، اُصول اور مستقل مزاجی کم ہوتی جا رہی ہے، جبکہ ذاتی مفادات اور خاندانی اثر ورسوخ بڑھ گیا ہے۔ اس وجہ سے عوام، خصوصاً نوجوان، ان جماعتوں پر اعتماد نہیں کرتے اور انہیں اپنا مستقبل دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ جب جماعتیں خود کمزور ہو جائیں تو پھر قومی سطح پر فیصلے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ گزشتہ برسوں میں آنے والی حکومتیں مضبوطی سے کام نہ کر سکیں کیونکہ جماعتیں صرف اقتدار حاصل کرنے کے لیے اکٹھی ہوتی ہیں، لیکن اختیار ملتے ہی ایک دوسرے کے خلاف ہو جاتی ہیں، جس سے ملک ایک تسلسل کے ساتھ آگے نہیں بڑھ پاتا۔ اس تمام صورتحال کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا ہے کہ عوام نے سیاسی عمل سے دلچسپی کھو دی ہے۔ پہلے لوگ بڑی تعداد میں ووٹ دینے آتے تھے، مگر اب ووٹنگ کم ہوتی جا رہی ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کی رائے یا ووٹ سے کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ جب عوام کا یقین ٹوٹ جائے تو پورا نظام کمزور ہو جاتا ہے اور ملک میں بے یقینی مزید بڑھ جاتی ہے۔

5. قرآن وسنت کی روشنی میں سیاسی جماعتوں کے نظریاتی بحران کا حل

عصر حاضر میں سیاسی جماعتوں کو سب سے بڑا چیلنج ان کے نظریاتی بحران کا سامنا ہے۔ قرآن وسنت میں قیادت کے لیے سچائی، عہد کی پاسداری اور امانت داری کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ یہی اُصول سیاسی جماعتوں کے قول و فعل کے تضاد کو ختم کرنے اور عوامی اعتماد قائم کرنے کا حل ہیں۔ اس حوالے سے ہمیں قرآن وحدیث سے درج ذیل رہنمائی ملتی ہے:

قول و فعل کے تضاد کی ممانعت

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ [59]

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟"

عہد کی پاسداری

﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۖ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾ [60]

ترجمہ: "اور عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کے بارے میں (قیامت کے دن) پوچھا جائے گا۔"

منافق کی نشانیاں

«آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ» [61]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔"

قرآن وسنت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سیاسی جماعتوں کے نظریاتی بحران کی بنیاد اکثر قول و فعل کے تضاد اور وعدوں کی خلاف ورزی میں ہے۔ قرآن وسنت اس رویے کو نفاق سے تعبیر کرتی ہیں اور قیادت کے لیے سچائی، عہد کی پاسداری اور امانت داری کو لازمی قرار دیتی ہیں۔ جب جماعتیں اپنے منشور یا عوام کے ساتھ کیے گئے وعدوں کی خلاف ورزی کرتی ہیں تو یہ نہ صرف سیاسی ناکامی بلکہ اخلاقی و شرعی جرم بھی ہے۔ اس بحران کا حل یہ ہے کہ سیاست کو محض ذاتی یا گروہی مفادات تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اُصولوں کی پابندی، قول و فعل میں مطابقت اور عوامی اعتماد کی حفاظت کو مرکزی حیثیت دی جائے، تاکہ قیادت شفاف اور ذمہ دار بن سکے۔

6. قرآن وسنت کی روشنی میں قیادت کی کمزوریوں کا حل

قیادت کی کمزوریاں اکثر نااہل افراد کے عہدوں پر فائز ہونے اور مشاورت کے فقدان کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ قرآن وسنت اہلیت، انصاف اور امانت داری پر زور دیتی ہیں اور قیادت کو شفاف اور ذمہ دار بنانے کے لیے شوریٰ کے نظام کی ضرورت بتاتی ہیں۔ یہی اُصول قیادت کی کمزوریوں کے حل کی بنیاد ہیں۔ اس حوالے سے ہمیں قرآن وحدیث سے درج ذیل رہنمائی ملتی ہے:

اہلیت اور میرٹ کا اُصول

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ [62]

ترجمہ: "بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔"

مشاورت (شورائیت) کا نظام

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ [63]

ترجمہ: "اور ان (مسلمانوں) کا نظام کار آپس کے مشورے سے چلتا ہے۔"

نااہل قیادت کا انجام

«إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ ... قَالَ: إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ» [64]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو۔" پوچھا گیا: امانت کیسے ضائع ہو گی؟ فرمایا: "جب معاملات نااہل لوگوں کے سپرد کر دیے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔"

قیادت بطورِ ذمہ داری (نگہبان)

«أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ» [65]

ترجمہ: "خبردار! تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت (زیرِ دست لوگوں) کے بارے میں باز پرس ہو گی۔"

تاہم، یہ واضح ہوتا ہے کہ قیادت کی کمزوریوں کا اصل سبب اہلِ صلاحیت کی جگہ نااہل افراد کو عہدوں پر فائز کرنا اور مشاورتی نظام کی غیر موجودگی ہے۔ قرآن و سنت قیادت کے لیے اہلیت، انصاف اور امانت داری کو لازمی قرار دیتی ہیں اور فردِ واحد کے فیصلے کے بجائے شوریٰ کے ذریعے مشترکہ مشورے کو ترجیح دیتی ہیں۔ رسول ﷺ کی حدیث میں فرمایا گیا کہ نااہل افراد کو اختیارات سپرد کرنا معاشرتی بربادی کی طرف لے جاتا ہے، جبکہ ہر رہنما اپنی رعیت کے لیے ذمہ دار ہے۔ اس بحران کا حل موروثی یا ذاتی مفاد پر مبنی سیاست کے خاتمے، میرٹ کی بنیاد پر عہدوں کی تقسیم، اور شوریٰ کے نظام کو مضبوط کرنے میں مضمر ہے تاکہ قیادت ذمہ دار، شفاف اور اہلِ ایمان ہو۔

7. قرآن وسنت کی روشنی میں قومی انتشار کا حل

قومی انتشار کی اصل وجوہات تفرقہ بازی، نسلی تفاخر اور عصبیت ہیں۔ قرآن و سنت اور رسول ﷺ کی تعلیمات قوم کو مساوات، اخوت اور تقویٰ پر مبنی اتحاد کی طرف رہنمائی کرتی ہیں، جو قومی انتشار کا بہترین حل ہے۔ اس حوالے سے ہمیں قرآن و حدیث سے یہ رہنمائی ملتی ہے:

اتحاد اور تفرقہ بازی کی ممانعت

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ [66]

ترجمہ: "اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔"

نسلی تفاخر کا خاتمہ

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [67]

ترجمہ: "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

عصبیت کی ممانعت

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا إِلَى عَصَبِيَّةٍ، وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ، وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ» [68]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وہ ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت (لسانی یا قومی تعصب) کی طرف بلایا، وہ ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی بنیاد پر جنگ کی، اور وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر مرا۔"

خطبہ حجۃ الوداع (مساوات کا چارٹر)

«أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى»[69]

ترجمہ: "خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سرخ کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی سرخ پر کوئی فضیلت نہیں، سوائے تقویٰ کے۔"

قومی انتشار کی جڑیں تفرقہ بازی، نسلی تفاخر اور عصبیت میں ہیں۔ جبکہ قرآن وسنت اس بات کی تعلیم دیتی ہیں کہ انسانوں کی تقسیم قوموں اور قبیلوں میں صرف تعارف کے لیے ہے، کوئی نسل یا زبان کسی پر فضیلت نہیں رکھتی۔ رسول ﷺ کی تعلیمات اور خطبہ حجۃ الوداع میں مساوات، اخوت اور تقویٰ پر زور دیا گیا ہے، جبکہ عصبیت اور نسلی تعصب کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ اس بحران کا حل قوم کو اسلامی اخوت، مساوات اور قانون کی حکمرانی کے اُصولوں پر متحد کرنا ہے، جہاں فرد کی قدر اس کی نسل یا لسانی شناخت سے نہیں بلکہ کردار، تقویٰ اور عدل پر کی جائے۔ جب قیادت اس شُعور کو فروغ دے تو قومی انتشار ختم اور اتحاد قائم ہو سکتا ہے۔

نتائج (Findings)

تحقیق کے بنیادی نتائج یہ ہیں:

سب سے پہلے، سیاسی جماعتوں میں نظریاتی بحران عوامی اعتماد کی کمی کا سبب بنتا ہے اور براہِ راست قومی انتشار کو جنم دیتا ہے۔ جب جماعتیں اپنے منشور یا اُصولوں کے برخلاف عمل کرتی ہیں تو عوام کو یقین نہیں رہتا کہ جماعت ان کے مفادات یا ملک کی بھلائی کے لیے کام کر رہی ہے۔ دوسری طرف خاندانی یا عمر رسیدہ قیادت ایک "institutional lock-in"[70] پیدا کرتی ہے، یعنی وہ قیادت اپنے ذاتی یا موروثی مفادات کی وجہ سے جماعت کو جدید دور کے تقاضوں اور نوجوان نسل سے منقطع کر دیتی ہے۔ اس سے جماعتیں جمود کا شکار ہوتی ہیں اور نئے خیالات یا اصلاحات کے لیے کھلی نہیں رہتیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ نسلی، لسانی یا فرقہ وارانہ سیاست نوجوانوں کو روایتی جماعتی عمل سے دور کرتی ہے۔ نوجوان جب جماعتوں میں اپنے کردار یا خیالات کے مطابق شامل نہیں ہو پاتے تو وہ سیاسی عمل میں کم حصہ لیتے ہیں اور سماجی تفریق بڑھتی ہے۔ آخر میں، قرآن وسنت کی تعلیمات ہی اس بحران کا واحد مؤثر حل ہیں۔ یہ تعلیمات نہ صرف سیاسی جماعتوں کو اُصولوں اور اخلاقیات کی بنیاد پر کام کرنے کی ہدایت دیتی ہیں بلکہ اہل، سچے اور ذمہ دار قیادت پیدا کرتی ہیں اور قومی اتحاد قائم رکھنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ یوں سیاسی جماعتیں مضبوط، شفاف اور عوامی اعتماد کی حامل بن سکتی ہیں اور قومی انتشار کا خاتمہ ممکن ہو جاتا ہے۔

سفارشات (Recommendations)

تحقیق کے تناظر میں درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

- **انٹرا پارٹی الیکشنز کے قانونی ڈھانچہ کی تشکیل:** الیکشن کمیشن آف پاکستان کے ذریعے سیاسی جماعتوں کے اندر شفاف اور باقاعدہ انتخابات کو لازمی قرار دیا جائے۔
- **موروثی سیاست کا تدارک:** سیاسی جماعتوں کے آئین میں یہ ترمیم تجویز کی جائے کہ پارٹی سربراہ کا قریبی خونی رشتہ دار فوری طور پر اگلا سربراہ نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ ایک مخصوص مدت یا نچلی سطح سے انتخابی عمل گزار کر نہ آئے۔
- **انسدادِ عصبیت قوانین کا نفاذ:** نسلی، لسانی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر ووٹ مانگنے یا نفرت پھیلانے والی جماعتوں کو الیکشن لڑنے سے نااہل قرار دینے کے لیے سخت قانون سازی کی جائے اور خطبہ حجۃ الوداع کی روشنی میں "قومی سیاسی ضابطہ اخلاق" ترتیب دیا جائے۔

- **قرآن وسنت کی بالادستی کا سیاسی اور آئینی نفاذ:** تمام سیاسی جماعتوں کے لیے ایک مشترکہ چارٹر بنانا چاہیے جو اس بات کی ضمانت دے کہ ملک کا سیاسی نظام، قانون سازی، اور عدالتی فیصلے قرآن وسنت کے بنیادی اُصولوں (جیسے عدل، میرٹ، شوریٰ، اور احتساب) کے تابع ہوں گے۔

حوالہ جات وحواشی

[1] جلال، عائشہ، دی سول اسپوکس مین: جناح، مسلم لیگ اور تشکیل پاکستان، کیمبرج یونیورسٹی پریس، کیمبرج، 1985، ص:92-78۔

[2] ولپرٹ، اسٹینلی، جناح آف پاکستان، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، نیویارک، 1984، ص:125-101۔

[3] نصر، سید ولی رضا، مودودی اینڈ دی میکنگ آف اسلامک ریوالوزم، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، آکسفورڈ، 1996، ص:156-134۔

[4] برکی، شاہد جاوید، پاکستان: دی کنٹینیونگ سرچ فار نیشن ہڈ، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، نئی دہلی، 1991، ص:167-145۔

[5] حقانی، حسین، "پاکستان کی سیاسی ترقی میں اسلام کا کردار،" جرنل آف کنٹیمپریری ساؤتھ ایشیا، جلد15، شمارہ2، 2007، ص:189-167۔

[6] لودھی، ملیحہ، پاکستان: بیونڈ دی اسلامک اسٹیٹ، ہرسٹ پبلشرز، لندن، 2011، ص:145-123۔

[7] مودودی، ابوالاعلیٰ، اسلامی قانون اور دستور، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1960، ص:78-45۔

[8] انٹرنیشنل کرائسس گروپ، پاکستان: دی ملٹنٹ جہادی چیلنج، آئی سی جی رپورٹ، شمارہ164، 2007، ص:56-34۔

[9] پِلڈیٹ، پاکستان میں سیاسی جماعتوں کا ادارہ جاتی ڈھانچہ اور قیادت کی منتقلی، پِلڈیٹ، اسلام آباد، 2023، ص:67-45۔

[10] میٹکالف، باربرا، اسلامی احیاء برصغیر میں: دیوبند 1900-1860، پرنسٹن یونیورسٹی پریس، پرنسٹن، 1982، ص:156-123۔

[11] گرین برگ، جوناتھن ڈی، "پاکستان میں بنیاد پرستی اور قوم پرستی،" ساؤتھ ایشیا: جرنل آف ساؤتھ ایشین اسٹڈیز، جلد35، شمارہ1، 2012، ص:95-78۔

[12] علی، طارق، دی کلیش آف فنڈامنٹلزمز، ورساؤ، لندن، 2003، ص:178-156۔

[13] پِلڈیٹ، پاکستان میں نوجوانوں کا سیاسی اعتماد، سروے2024، پِلڈیٹ، اسلام آباد، 2024، صفحہ 89۔

[14] ڈان نیوز، "پاکستان میں سیاسی خانوادگیاں: قیادت کے پیٹرن کا تجزیہ،" ڈان، اسلام آباد، جون2024۔

[15] احمد، اعجاز، لائنیجز آف دی پریزنٹ: آئیڈیالوجی اینڈ پولیٹکس ان کنٹیمپریری ساؤتھ ایشیا، ورساؤ، لندن، 1992، ص:234-201۔

[16] خان، وسیم، "جنوبی ایشیا کی سیاسی جماعتوں میں قیادت کی منتقلی،" کمپیراٹو پالیٹکس ٹوڈے، جلد31، شمارہ4، 2023، ص:541-523۔

[17] ٹلبرٹ، ایان، پاکستان: اے ماڈرن ہسٹری، ہرسٹ پبلشرز، لندن، 2009، ص:256-234۔

[18] الیکشن کمیشن آف پاکستان، سیاسی قیادت کی عمر کے اعداد وشمار، تجزیاتی رپورٹ2024، اسلام آباد، 2024، صفحہ 23۔

[19] خان، خالد، "جنوبی ایشیا میں ڈیجیٹل انقلاب اور سیاسی قیادت،" جرنل آف ایشین پولیٹیکل سائنس، جلد12، شمارہ3، 2023، ص:134-112۔

[20] بیکسر، کریگ، وغیرہ، گورنمنٹ اینڈ پالیٹکس ان ساؤتھ ایشیا، ویسٹیو پریس، بولڈر، 1991، ص:267-234۔

[21] ملک، افتخار حسین، ساؤتھ ایشیا میں اسلام کی تاریخ، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، آکسفورڈ، 2008، ص:312-289۔

[22] نقوی، منور، "پاکستان میں سیاسی جماعتیں اور جمہوری ادارے،" ساؤتھ ایشین اسٹڈیز، جلد28، شمارہ2، 2019، ص:178-156۔

[23] وائس، انیتا ایم، پاکستان میں ثقافت، طبقہ اور ترقی، ویسٹیو پریس، بولڈر، 1986، ص:167-145۔

[24] پائیڈ، پاکستان میں جمہوری طرزِ حکمرانی: چیلنجز اور امکانات، پائیڈ، اسلام آباد، 2023۔

[25] پیرسن، پال، "انکریسنگ ریٹرنز، پاتھ ڈیپینڈنس اینڈ دی اسٹڈی آف پالیٹکس،" امریکن پولیٹیکل سائنس ریویو، جلد94، شمارہ2، 2000، ص:267-251۔

[26] وہ نظریہ جس کے مطابق تنظیمیں سماجی اُصولوں، روایات اور قانونی تقاضوں کی پیروی کرتے ہوئے اپنی پالیسیاں اور ڈھانچے ترتیب دیتی ہیں۔

[27] جو راستہ پہلے اختیار کیا گیا ہو، اسی پر آگے بڑھنے کی مجبوری پیدا ہو جاتی ہے۔

[28] براس، پال، دی پولیٹکس آف انڈیا سنس انڈیپینڈنس، کیمبرج یونیورسٹی پریس، کیمبرج، 1994، ص:267-234۔

[29] خان، وسیم، "پاکستان میں لسانی قومیت اور سیاسی تحریکیں،" ساؤتھ ایشین ریویو، جلد19، شمارہ2، 2021، ص:112-89۔

[30] اینڈرسن، بینیڈکٹ، امیجنڈ کمیونٹیز، ورساؤ، لندن، 1991، ص:145-123۔

[31] ورکیوٹن، آسکر، شہری پاکستان میں نسلی سیاست: کراچی کے کیس اسٹڈیز، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، آکسفورڈ، 2020، ص:178-156۔

[32] ہیومن رائٹس واچ، کراچی: نسلی اور سیاسی تشدد، نیویارک، 2019، ص:67-45۔

[33] آئی سی جی، کراچی: نسلی ہم آہنگی کا انہدام، آئی سی جی رپورٹ، شمارہ187، 2006، ص:56-34۔

[34] وسیم، محمد، "شہری پاکستان میں نسلی تنازعات،" پاکستان جرنل آف سوشل سائنسز، جلد3، شمارہ2، 2006، ص:156-134۔

[35] آئی سی جی، خیبر پختونخوا میں نسلی سیاست، رپورٹ شمارہ 267، 2019، ص: 41-23۔

[36] نصر، ولی، دی شیعہ ریوال: ہاؤ کانفلکٹس ودان اسلام ول شیپ دی فیوچر، ڈبلیو ڈبلیو نارٹن، نیو یارک، 2006، ص: 195-178۔

[37] المودرسی، محمد تقی، "پاکستان میں مسلکی بحران: اسباب و حل،" جرنل آف اسلامک اسٹڈیز، جلد 22، شمارہ 1، 2023، ص: 156-134۔

[38] ورلڈ بینک، پاکستان ڈیموگرافک اینڈ ہیلتھ سروے 2023، واشنگٹن، 2023، ص: 89-78۔

[39] پلڈیٹ، پاکستان میں نوجوانوں کی سیاسی شمولیت 2024، اسلام آباد، 2024، ص: 56-34۔

[40] پیو ریسرچ سینٹر، ایشیا میں حکومت اور سیاسی اداروں پر اعتماد، واشنگٹن، 2023، ص: 134-112۔

[41] پلڈیٹ، سیاسی خانوادگیاں اور میرٹ پر مبنی قیادت، اسلام آباد، 2023، ص: 89-67۔

[42] گیلپ پاکستان، پاکستانی نوجوانوں میں شناخت اور سیاسی شرکت، سروے 2024، اسلام آباد، 2024، ص: 67-45۔

[43] رانا، محمد عامر، "پاکستان میں مذہبی شدت پسندی: ایک مطالعہ،" کنٹیمپریری ساؤتھ ایشیا، جلد 26، شمارہ 3، 2018، ص: 312-289۔

[44] سردار، ضیاء الدین، "جنوبی ایشیا میں سوشل میڈیا کی سیاست،" میڈیا کلچر اینڈ سوسائٹی، جلد 40، شمارہ 5، 2018، ص: 778-756۔

[45] نارتھ، ڈگلس، انڈراسٹینڈنگ دی پروسیس آف اکنامک چینج، پرنسٹن یونیورسٹی پریس، پرنسٹن، 2005، صفحہ 12۔

[46] ویبر، میکس، اکانومی اینڈ سوسائٹی، یونیورسٹی آف کیلیفورنیا پریس، برکلے، 1978، ص: 220-213۔

[47] آئی سی جی، پاکستان کی سیاسی کشمکش 2025-2018، رپورٹ شمارہ 298، 2024، ص: 78-56۔

[48] ستار، بابر، "پاکستانی سیاسی جماعتوں میں جمہوری کمی،" ہیومن رائٹس واچ رپورٹ، 2024، ص: 34-12۔

[49] فوکویاما، فرانسس، پولیٹیکل آرڈر اینڈ پولیٹیکل ڈیکے، فیرر، اسٹراؤس اینڈ جیرو، نیو یارک، 2014، ص: 478-456۔

[50] انٹرنیشنل آئیڈیا، جنوبی ایشیا میں سیاسی جماعتوں کی ادارہ جاتی ساخت، اسٹاک ہوم، 2022، ص: 112-89۔

[51] لنز، جوان، اور الفریڈ اسٹیپن، پروبلمز آف ڈیموکریٹک ٹرانزیشن اینڈ کنسولیڈیشن، جانز ہاپکنز یونیورسٹی پریس، بالٹی مور، 1996، ص: 167-123۔

[52] امریکی معاشی مورخ اور ادارہ جاتی معاشیات (Institutional Economics) کے بڑے اسکالر تھے۔

[53] ہنٹنگٹن، سیموئل پی، پولیٹیکل آرڈر ان چینجنگ سوسائٹیز، ییل یونیورسٹی پریس، نیو ہیون، 1968، ص: 201-178۔

[54] بار بار بدلتے ہوئے قواعد (آئینی اور سیاسی اصول ہر حکومت کے ساتھ بدل جاتے ہیں)۔

[55] اوڈونل، گلیئرمو، اور شمٹر، فلیپ، ٹرانزیشنز فرام آتھوریٹیرین رول، جانز ہاپکنز یونیورسٹی پریس، بالٹی مور، 1986، ص: 134-89۔

[56] اس سے مراد یہ ہے کہ ایک خرابی یا کمزوری دوسرے مرحلے میں مزید بڑی خرابیوں کو جنم دیتی ہے، اور یہ سلسلہ پورے نظام میں پھیل جاتا ہے۔

[57] یو این ڈی پی، جنوبی ایشیا میں جمہوری حکمرانی: چیلنجز اور مواقع، نیو یارک، 2023، ص: 78-45۔

[58] الیکشن کمیشن آف پاکستان، جنرل الیکشن 2024: ووٹر ٹرن آؤٹ تجزیہ، اسلام آباد، 2024، ص: 45-23۔

[59] القرآن ۶۱/ ۲۔

[60] القرآن ۱۷/ ۳۴۔

[61] محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الایمان، باب: علامات المنافق، حدیث: 33۔

[62] القرآن ۴/ ۵۸۔

[63] القرآن ۴۲/ ۳۸۔

[64] محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب: رفع الامانۃ، حدیث: 6496۔

[65] مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح مسلم، کتاب الامارۃ، حدیث: 1829۔

[66] القرآن ۳/ ۱۰۳۔

[67] القرآن ۴۹/ ۱۳۔

[68] ابو داؤد سجستانی، سنن ابو داؤد، کتاب الادب، باب: فی العصبیۃ، حدیث: 5121۔

[69] احمد بن حنبل، مسند احمد، مسند الانصار، حدیث: 23489۔

[70] یعنی نظام پھنس جاتا ہے اور بہتر متبادل اختیار کرنا مشکل ہو جاتا ہے مثلاً، پاکستان کا پرانا بیوروکریسی، عدالتی اور سیاسی نظام جو کہ ملکی ترقی میں بڑی رکاوٹ ہے۔